جدید اردو افسانے میں عورت کی آواز

ڈاکٹر عقیلہ جاوید*

Abstract:

This research paper reflects the voices of women in Urdu short story. The problems which a Pakistani woman is facing are being carried out by the short story writer. Different women writers also presented these problems in their fiction. This article discusses these problems.

یوں تو قدیم اور جدید کی بحث خاصی پرانی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ پرانے نقوش جب مدہم پڑ جاتے ہی تو اُن کی جگہ نئے نقوش اُجاگر کرنے پڑتے ہیں۔ پرانی اقدار کی محبت اور احترام کے باوجود انسان نئی اقدار کو اپناتا ہے اور یوں زندگی کا تسلسل آگے کی طرف گامزن رہتا ہے۔ فن کوئی سا بھی ہو ہمیشہ زندگی کا عکاس رہا ہے اور زندگی کوئی جامد شے نہیں۔ لہٰذا جس طرح زندگی کے معیارات تبدیل ہوتے ہیں۔ فن میں بھی تغیر رونما ہوتا ہے جو کبھی تو محسوس اور کبھی نامحسوس طریقے سے اپنا اظہار کرتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زمانے کی تیز رفتاری اور تغیر و تبدل نے روایتی کہانی کو جس جذباتی اظہار بیان میں ڈھالا اُس نے مختصر افسانے کی شکل اختیار کی۔ یہ وہی زندگی ہے جس کے اثرات برصغیر میں انیسویں صدی میں نمودار ہوئے اور بیسویں صدی میں عروج پر پہنچے۔ ترقی کے مادی نظریئے کی بدولت معاشی الجھنوں میں اضافہ ہوتا گیا اور الجھنیں صرف شعوری سطح پر باعث گرفت نہ رہیں بلکہ انہوں نے لاشعور میں بھی اپنا ٹھکانا بنایا۔ انسانی رویئے اور رجحان کو نمایاں کرنے میں شعور سے زیادتی لاشعوری عوامل ہمیشہ سے کارفرما رہے۔ داخل کی کلبلاہٹ، تڑپ اور تجسس مختلف نفسی کیفیات کو ابھارتے ہیں جن کا سرچشمہ ہمیشہ داخلی محرک ہے۔ ابھی بہت عرصہ نہیں گزرا کہ کہانی کی ایک نئی صف افسانے کے روپ میں ہمارے سامنے آئی جس نے انسان کے خارجی عوامل سے لے کر اُس کے ذہنی رو یوں کے کھوج تک کا سفر کامیابی سے طے کیا۔ جب افسانہ نگار خارجی حقیقت نگاری سے باطنی حقیقت نگاری کی طرف آیا تو لامحالہ تکنیک اور ہیئت میں بھی تبدیلی لانا پڑی اور وسیلہ اظہار

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

کے نئے نئے تجربات سے گزرنا پڑا۔ ایسے میں بہت سے لوگوں نے اُسلوب اور تکنیک کو ہی جدید افسانہ قرار دے دیا اور اصل کہانی کو نظر انداز کر دیا جس کی وجہ سے نا صرف خود فن کے گورکھ دھندے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے بلکہ افسانے کو قاری سے دُور کر دیا اور جب جدید افسانہ نگار اور قاری کے درمیان ذہنی ہم آہنگی کا رشتہ تقریباً منقطع ہو گیا تو پھر افسانہ نگاروں نے اپنے افسانے صرف ادب کے ناقدین کے لیے تخلیق کرنا شروع کر دیئے۔ یوں اس سیدھے سادے دلچسپ فن کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر کر دیا۔ کہانی قاری کی ذہنی آسودگی کے لیے لکھی جاتی تھی۔ افسانہ اسے سماجی شعور بھی عطا کرنے لگا، لیکن جدید افسانے کے معترضین اس کے اُسلوب اور اُس کی افادیت سے مطمئن نہیں۔ جدید افسانے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ فنکار کے اپنے لاشعور کی تخلیق ہوتا ہے۔ جدید افسانے میں عورت کے باطن کی آواز اُس کے کن لاشعوری عوامل کی نشاندہی کرتی ہے اور اُسے جدید افسانہ نگار عورت کس طرح فن میں ڈھال سکی۔ کیا وہ بھی گورکھ دھندے کا شکار ہو کر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر مطمئن ہو گئی یا اُسے بامعنی شکل دے سکی۔ ان سوالوں کے جواب تلاش کرنے کے لیے ایک نظر جدید افسانہ نگار خواتین کے فن پر ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے۔

یوں تو ماضی میں عورت کے روایتی اور مثالی رویئے کی نفی کرنے والی پہلی افسانہ نگار خاتون رشید جہاں ہیں جن کے ہاں سب سے پہلے عورت مرد کی حاکمیت اور برتری کے مقابلے میں مجسم سوالیہ نشان بن کر سامنے آتی ہے جو جسمانی طور پر تو مرد کی اطاعت قبول کرتی ہے مگر ذہنی طور پر اُس کی رفاقت عورت کے لیے صبر آزما ہے۔

عصمت نے ہندوستان کے گھٹن زدہ ماحول میں عورت کو اپنا موضوع بنایا۔ جنسی پیچیدگیوں، نفسیاتی الجھنیں، جنسی گھٹن اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال ان کا خاص میدان ہے۔ ان کے افسانوں میں عورت کا روایتی کردار اس لیے زیادہ تر دکھائی نہیں دیتا اور انہوں نے گھریلو عورت کے مسائل اور جنسی الجھنوں کی عکاسی کر کے وہ اجتہاد کیا ہے جس میں روایتی عورت کا گلا گھونٹ کر اس کی تلخی کو اگلوایا گیا ہے۔ بلاشبہ عورت کا کتھارسس اسی صورت میں ممکن تھا۔ بقول ممتاز شیریں:

> ''عورت کے جنسی جذبے، جنسی اٹھان اور ارتقاء اور نفسیات کو عصمت چغتائی سے بہتر ترجمانی شاید ہی مل سکے۔ عصمت نے بے باکانہ جرأت سے عورت کو پہلی دفعہ اصل روپ میں پیش کیا تھا۔''

یہ انداز ان کا تمام فن میں جھلکتا ہے تقسیم سے قبل ان کے افسانوں کے دو مجموعے کلیاں ۱۹۴۰ء اور چوٹیں ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئے بعد کے مجموعوں میں دو ہاتھ ۱۹۶۲ء اور چھوئی موئی ۱۹۵۲ء اہم ہیں۔

ان کے علاوہ عصمت چغتائی کے افسانوں میں عورت کا روایتی کردار کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ناآسودگی کے نتیجے میں کھلنے والی زبان سے وہ پھول نہیں برساتیں۔ انگارے چبانے والی عورت مردانہ جذبات کو ٹھنڈا نہیں کرسکتی۔ یہی حقیقت ہے جسے عصمت نے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔

جدید اردو افسانے میں خواتین کی پیشرو قرۃ العین حیدر ہیں۔ ان کے ہاں افسانے کی جدید تکنیک اور اُسلوب کو کامیابی سے برتا گیا۔ انہوں نے عورت کو ذہانت، حب الوطنی، قوم پرستی اور تعلیم میں مردوں کے شانہ بشانہ دکھایا ہے۔ لہٰذا وہ تمام مسائل جو کسی مرد کو پیش آسکتے ہیں وہ آج کی عورت کا مقدر بھی بن سکتے ہیں۔ ان کے ہاں عورت سماج کی وہ سب سے اہم قدر ہے جس کے ذریعے معاشرے میں رشتوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ لہٰذا عورت مذہب اور حیثیت کے حوالے سے اتنی نمایاں نہیں جتنی اپنے عورت پن کے حوالے سے نمایاں ہے وہ پڑھی لکھی اور آدرش پسند ہے وہ نا صرف خود اعتمادی سے جینا جانتی ہے بلکہ جدید تعلیم کی بدولت اور اپنے مضبوط ارادے کی وجہ سے زمانے سے نباہ بھی کرتی ہے۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوی مجموعوں میں ستاروں سے آگے ۱۹۴۷ء شیشے کا گھر ۱۹۵۶ء پت جھڑ کی آواز ۱۹۶۷ء فیصل گل آئی یا اجل آئی، جہاں پھول کھلتے ہیں، جگنوؤں کی دنیا، تلاش روشنی کی رفتار، کلیاں قتل اور 'میرے بہترین افسانے' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ساٹھ کی دہائی میں خواتین نے مردوں کے نشانہ بشانہ اُسی رویئے کا اظہار کیا جو وقت کی ضرورت قرار پایا اور ان خواتین کے ہاں کردار اپنے دکھوں کی صلیب اپنے کندھوں پر اٹھائے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ کہیں واضح اور کہیں محض پرچھائیں۔ جہاں باطنی کشمش کو علامتی انداز میں بیان کیا وہاں روحانی اور اخلاقی زوال کا ماتم بھی ملتا ہے۔ ان لکھنے والوں میں خالدہ حسین، عصرا بخاری، فہمیدہ ریاض، فہمیدہ اختر، فرخندہ لودھی، بانو قدسیہ، واجدہ تبسم، کے نام شامل ہیں۔ علامت کو بطور تکنیک بنانے سے گریز کرنے والوں میں ایک نام رضیہ فصیح احمد کا ہے۔ ان کی کہانیوں میں انکشاف اور چونکا دینے والا عمل متاثر کرتا ہے۔ ان کے ہاں خواہش موجود ہے کہ عورت سوچ اور فکر کے نتیجے میں اپنی زندگی کے عُقدے حل کرے۔ ورنہ دو غلے تہذیبی اقدار کے حامل معاشرے میں عورت کی تعلیم و تربیت۔ اس کا حسن اور اس کی تمام صلاحیتیں اور لیاقتیں گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیں گی۔ انہوں نے عورت کی کٹھ پتلی کی مانند زندگی کے خلاف زیادہ لکھا ہے۔ وہ عورت کی ترقی اور آزادی کی قائل ہیں لیکن بے جا آزادی کی نہیں۔ ان کے افسانوں میں عورت کی جدوجہد تو نظر آتی ہے مگر زندگی کے خارزار کا مقابلہ کرتے ہوئے راستے میں ہی دم توڑ جاتی ہے۔

فہمیدہ ریاض بیک وقت شاعرہ اور کہانی کار کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ جو عہدِ جدید کے تقاضوں اور روّیوں سے خوب آشنا ہیں۔ ان کے ہاں عورت ہمیشہ کی طرح آج بھی مجبور و بے بس ہے وہ سماج کی بے حسی کا پردہ چاک کرتی ہیں جس کی وجہ سے بدلتا ہوا عہد انسانی رویوں میں وہ تبدیلی نہیں لا سکا جس میں آج عورت کو قربان گاہ میں اپنے وجود، خیالات کے اظہار اور سوچ و فکر کی قربانی نہ دینی پڑے۔

زاہدہ حنا بھی موجودہ عہد کی باشعور افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں کی پڑھی لکھی لڑکی پرانے اور فرسودہ عقائد کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے۔ وہ سماجی مسائل سے بھی آشنا ہے اور اس میں اپنے کردار سے بھی واقف ہے۔ لہٰذا وصل کے انجماد سے فراق کا اضطراب اُس کے لیے زیادہ قابلِ قبول ہے۔ ان کے افسانوں میں عورت دنیاوی اذیت برداشت کر کے آخرت کی بھلائی اور سرخروئی مرد کی گود میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں۔

تجسّس اور اسراریت کو اپنے افسانوں میں جگہ دینے والی بانو قدسیہ ایک معتبر نام ہے۔ ان کی کہانی ان کے عہد کی باز آفرینی ہے۔ ان کے افسانوں کی عورت بھرے پُرے گھر کی وہ تنہا اور بے بس عورت ہے جو اپنی خواہشات کی غلام بھی ہے اور جس کے نتیجے میں کبھی کبھی اُسے بڑی قربانی دے کر مکافاتِ عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں کبھی تو اسکا شریکِ کار زندگی کا ہمسفر ہوتا ہے اور کبھی اُسے اکیلے ہی یہ دُکھ جھیلنا پڑتا ہے جوان کے افسانے کی صابر و شاکر عورت اُٹھا تو لیتی ہے مگر اس کے عمل سے ناآسودگی، اکیلا پن اور اُداسی کی جھلک چھپائے نہیں چھپتی۔

نیلم احمد بشیر نے عورت کو اپنے تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھا اور نتائج افسانوی فن میں سموئے۔ انہوں نے مغربی اور مشرقی عورت کا موازنہ بھی کیا اور دوسری طرف اُس عورت کی ازلی خواہش کو بھی افسانے کا موضوع بنایا۔ جس میں اُسے ایک چھوٹا سا گھر اور محبت کرنے والے ساتھی کا ہاتھ چاہیے۔

اسی طرح نیلوفر اقبال کے افسانوں میں عورت صرف اس وقت تک محفوظ ہے جب تک وہ معاشرتی رشتوں کے معیار میں جیتی ہے۔ اگر وہ اس حصار کو قید سمجھ کر اسے توڑ کر باہر نکلے گی تو پھر وہ لوٹ کا مال ہے، لیکن اس کے باوجود وہ عورت کے مرد پر انحصار کو مثبت قرار نہیں دیتیں بلکہ عورت کو اپنے مسائل اپنے وسائل بروئے کار لا کر ہی حل کرنے کو اس کی عظمت قرار دیتی ہیں۔

خدیجہ مستور عورت کی بے بسی اور ہمدری کا راگ نہیں الاپتیں بلکہ اُسے سماج میں ایک غور و فکر کرنے والا ایسا شہری تصور کرتی ہیں جو عقل و شعور کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے مسائل کا حل خود تلاش کرے۔ اس سے زیادہ صحت مندانہ روّیہ اور کیا ہوگا جس میں عورت کو سماج میں ایک باعزت مقام دینے کی خواہش اس طور پر پوری کی جائے کہ وہ

خود اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھے اور بنائے کیوں کہ وہ بھی مرد کی طرح گوشت پوست کی مخلوق ہے اور زندگی گزارنے کے عمل میں اس کی ساجھے دار ہے۔ ایسی صورت میں کڑھنا اُسے زیب نہیں دیتا بلکہ کاوش اور جستجو اس کی زندگی بدلنے کا باعث ہے۔

جبکہ جیلانی بانو کے ہاں عورت کی آواز اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان کے نزدیک عورت تعلیم یافتہ اور باشعور ہونے کے باوجود ماضی میں جیتی ہے اور آج تک اُسے اپنے سوالوں کے جواب نہیں مل پائے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جواب دوسروں سے مانگتی ہے خود تلاش نہیں کرتی۔ جیلانی بانو عورت کے لیے مرد کو اتنا اہم گردانتی ہیں جس کے بغیر تنہائی عورت کے لیے ایک المیہ بن جاتی ہے مگر کیا یہ المیہ مرد کے لیے نہیں ہے اس کا جواب ان کے افسانوں میں نہیں ملتا۔

یہاں میں خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں میں سے چند مثالیں پیش کرتی ہوں جو عورت کے حوالے سے ان کی سوچ کو واضح کرتی ہیں۔

۱۔ ''مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب تمہیں میری ضرورت نہیں۔ اب تم معقول اور متمول شخصیت ہو۔ تمہاری قدریں بدل گئی ہیں۔ اب صرف وہ لوگ تمہارے لیے قابلِ اعتنا ہیں جو گھنٹی بجا کر آئیں۔ جن کے لیے ٹرالی بھر بھر ناشتے کا انتظام ہو اور جو سیاست میں تجارت اور تجارت میں سیاست کی باتیں کریں۔۔۔ تم یقیناً میرے بغیر بھی خوش ہو۔

(''تمغا'' از رضیہ فصیح)

۲۔ ''اس کے نزدیک بیوی میں ذہانت، لیاقت، قابلیت اور احساس خود اعتمادی کوئی اعلیٰ جوہر نہیں بلکہ شخصیت کو کھوکھلا کر ڈالنے والے، سرسراتے کیڑے ہوتے ہیں جو بالآخر کوئی نہ کوئی گل کھلا کر ہی چھوڑتے ہیں۔''

(''لالی کی بیٹی'' از نیلم بشیر احمد)

۳۔ ''میں نے سوچا کہ یہ کیا بات ہے۔۔۔ کہ ہر جگہ۔۔۔ مندروں، اور تیرتھ استھانوں میں درگاہوں اور مزاروں کے سامنے گرجاؤں اور امام باڑوں اور گردواروں اور آتش کدوں کے اندر۔۔۔ یہ عورتیں ہی ہیں جو رَو رَو کر خدا سے فریاد کرتی ہیں اور دعائیں مانگتی ہیں۔ ساری دنیا کے معبدوں کے سرد، بے حس پتھر عورتوں کے آنسوؤں سے دھلتے رہتے ہیں۔ عورتوں نے ہمیشہ اپنے اپنے دیوتاؤں کے چرنوں پر سر رکھا اور کبھی یہ نہ جاننا چاہا کہ اکثر یہ پاؤں مٹی کے بھی ہیں۔''

(''یاد کی اک دھنک جلے'' از قرۃ العین حیدر)

۴۔ ''رات کو کھانے کے بعد جب وہ سیاہ طلسم گھر میں بھرنے لگتا۔ امی پلنگ پر لیٹی تسبیح گھمانے لگتیں۔۔۔تب اُس کی آنکھوں سے تحفظ کا وہ نشہ اُترنے لگتا۔ اس تمام دُکھ اور محرومی اور خوف میں بڑا اَمن تھا وہ چپکے سے جا کر امی کے ساتھ لپٹ جاتی اُن کے جسم کی گرمی میں شہد کی سی مٹھاس ہوتی اور مٹھاس اُسے بڑی بھاتی تھی جب اُس مٹھاس کی شدت سے اُسے اپنا دل پھٹتا محسوس ہوتا تو وہ جھک کر امی کے پاؤں چومنے لگی اور آنسو آپی آپ گر کر ان ستھرے پاؤں کو بھگونے لگتے۔ ایسے میں امی لرز جاتیں اور فوراً اُٹھ کر اسکے سر کو سینے سے لگاتیں۔''

(''شہرِ پناہ'' از خالدہ حسین)

۵۔ ''مبارک بیگم- زہرہ بی بی- فاطمہ بیگم- ثریا- نشاط آرا مرزا صاحب نام پکارتے گئے اور نواب صاحب سب کے ہاتھوں میں ان ہی بندھے تُلے جملے کے ساتھ طلاق نامے پکڑاتے گئے۔ کسی کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ کوئی چہرہ پھول سے کم نہ تھا۔ کوئی نگاہ ایسی نہ تھی جس میں فریاد نہ ہو کوئی لب ایسا نہ تھا کہ دادرسی کے لیے وا نہ ہونا چاہتا ہو، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر بات کرنے کا بھی حوصلہ ہوتا کہ یہی اس محل کا قانون تھا۔''

(''لڑکی بازار'' از واجدہ تبسم)

یہ تو چند افسانہ نگار خواتین کے افسانوں میں سے مثالیں تھیں اگر مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو چند باتیں سامنے آتی ہیں مثلاً مرد اور عورت کے خانے آج بھی دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک طرف مالک، غالب اور غاصب ہے اور دوسری طرف مظلوم، مطیع اور اسیر۔ ماضی اور حال میں فرق ہے تو بس اتنا کہ آج کی عورت نے اپنے مسائل کا ادراک کرنا شروع کر دیا ہے۔ ماضی میں اُس سے جسمانی مشقت لی گئی وہ محض بچے پیدا کرنے کی مشین سمجھی گئی اور بالآخر خون تھوکتے ہوئے مر گئی۔ آج اُس کی ذہنی صلاحیت سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ شعور اور تفکر نے اُسے اپنے استحقاق کے لیے بولنا سیکھا دیا ہے یہ تو ایک الگ بحث ہے کہ اس کے نتیجے میں اُسے کیا ملا اور اُس نے کیا کھو دیا، لیکن بالخصوص افسانے میں نسوانی حقوق کے حصول اور بحالی کا ایک توانا رجحان پروان ضرور چڑھا ہے۔ جس میں مردانہ فضیلت کو تو قبول کیا گیا ہے مگر مردانہ جارحیت اور اجارہ داری کو نفرت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔

خواتین کے مجموعی افسانوی رویئے کی وضاحت ایک نظر میں کچھ یوں ہے کہ

- ⊙ رشید جہاں وہ پہلی باہمت خاتون ہیں جنہوں نے سماج کی کوتاہیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مرد کے اچھے رویئے کو ابھارنے کی کوشش کی۔
- ⊙ عصمت چغتائی کے ہاں ہندوستان کے گھٹن زدہ ماحول کی لاچار عورت موضوع خاص ہے جسے انہوں نے باغیانہ لہجے میں متعارف کروایا ہے۔
- ⊙ حاجرہ مسرور اور خدیجہ مستور کے ہاں آزادی کی تڑپ جنسی گھٹن، افلاس اور محرومی جسے موضوعات فنی چابکدستی سے پیش کئے گئے ہیں۔
- ⊙ صالحہ عابد حسین معاشرتی مسائل میں لطافت فکر پیدا کر کے بیان کی شگفتگی حاصل کر لیتی ہیں۔
- ⊙ قرۃ العین حیدر نے اپنے افسانوں میں جس رعایات یافتہ طبقے کو پیش کیا وہ اپنی تمام تر سچائیوں سمیت عکاس پذیر ہوتا ہے۔
- ⊙ جیلانی بانو حیدرآباد دکن کی معاشرت پیش کرتی ہیں اور افسانے کے ابتدائیہ سے ہی قاری کی کھلی توجہ حاصل کر لیتی ہیں۔
- ⊙ جمیلہ ہاشمی اور الطاف فاطمہ کے افسانوں میں سماجی اور نفساتی مسائل کی شکار عورت کے تصویر کشی ہے۔
- ⊙ واجدہ تبسم جنس نگاری پر بات کرتی ہیں مگر منٹو کی طرح قابل گرفت قرار نہیں پاتیں۔
- ⊙ بانو قدسیہ نے مشرقی عورت کی معاشرت کو اس کے روحانی اور جنسی مسائل سمیت چنا ہے۔
- ⊙ آمنہ ابوالحسن نے متوسط ہندو مسلم گھرانوں میں زندگی کا جتن کرتی ہوئی عورت کے خواب رقم کیے ہیں۔
- ⊙ خالدہ حسن کے ہاں تکنیکی سطح پر استعارہ، علامت اور تجرید کا ورتارا معنویت کے نئے جہاں سامنے لاتا ہے۔
- ⊙ نیلم احمد بشیر اپنے اندر کی تنہائی اور داد کو سماجی سطح پر نئے معنی پہناتی دکھائی دیتی ہیں۔
- ⊙ عطیہ سید کے ہاں گزارا ہوا زمانہ اور یادوں کے سلسلے فراق کے تناظر میں ملتے ہیں۔

زاہدہ حنا کے ہاں وجودیت کے فلسفے کے زیر اثر انسانی جدوجہد کے معنویت ابھرتی ہے۔

یہ تو چند نمائندہ خواتین افسانہ نگاروں کی سوچ کے زاویئے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ بے شمار نئی لکھنے والی آوازیں ہیں جو انہی خطوط پر سوچ وفکر کے زاویئے پر عمل پیرا ہیں اور افسانوی دنیا میں پوری ذمہ داری سے قدم رکھ رہی ہیں۔

ماخذات وحوالہ جات

۱۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر: ''افسانہ اور افسانے کی تنقید''، ادارۂ ادب وتنقید، لاہور، ۱۹۸۶ء۔

۲۔ نگہت ریحانہ خان، ڈاکٹر: ''اردو مختصر افسانہ''، بک وائز، لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۳۔ انتظار حسین: ''علامتوں کا زوال''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۳ء۔

۴۔ شہزاد منظر: ''پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال''، پاکستان سٹڈی سنٹر جامعہ کراچی، ۱۹۹۷ء۔

۵۔ عزیز فاطمہ، ڈاکٹر: ''اردو افسانہ سماجی وثقافتی پس منظر''، نصرت پبلشرز لکھنؤ، ۱۹۸۴ء۔

۶۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر: ''اردو افسانہ روایت اور مسائل''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء۔

۷۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر: ''اردو افسانہ اور عورت''، شعبۂ اردو، زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۱ء۔

۸۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر: ''جدید اردو افسانے کے رجحانات''، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۰ء۔